بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

افسوس ہے پچھلے مہینے کی ۲۰ تاریخ کو سہ پہر کے وقت محترم الحاج شیخ فیروز الدین صاحب جاپان والے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئے، مرحوم دہلی کی پنجابی برادری کی بزرگ ترین شخصیت تھے۔ اتفاق سے اپریل کے شروع میں کلکتہ جانا ہوا۔ تو معمول کے مطابق ان سے تقریباً روزانہ ہی ملاقات ہوتی تھی کراڈولین نمبر ۸ بلڈنگ کا حصہ پچھلے سال منہدم ہوگیا تھا اس لئے اس مرتبہ قیام مرحبا ہوٹل ۱۶ ذکریا اسٹریٹ میں ہوا اور میزبان حاجی قاسم جادوت صاحب تھے۔

کولوٹولہ (نمبر ۸) کی نسبت سے یہ مکان فاصلے پر ہے شیخ صاحب پاپیادہ چل کر یہاں تشریف لاتے تھے اور دیر تک بیٹھتے تھے۔ بڑھاپے کی وجہ سے قدرتی طور پر ناتوان تھے لیکن ان کی صحت کی عام رفتار کو دیکھ کر کبھی دور دور بھی یہ خیال نہیں ہوتا تھا کہ اس قدر جلد دنیا سے جا رہے ہیں۔

آخری ملاقات ۱۰ اپریل کی صبح کو ہوئی تھی حسب معمول بہت سی باتیں ہوئیں خاص طور پر انسانی اعمال اور ان کے نتائج پر دلپذیر گفتگو رہی۔ مرحوم اس فلسفے پر بھرپور یقین رکھتے تھے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے اس دنیا میں کسی نہ کسی رنگ میں اس کا بدل ضرور سامنے آتا ہے، وہ مکافاتِ عمل کے اس پہلو پر زیادہ زور دیتے تھے اور بار بار کہا کرتے تھے کہ قانونِ مکافات کو صرف آخرت پر چھوڑ کر بے فکر نہ ہو جانا چاہئے۔ ان کی باتیں دلچسپ اور اثر انگیز ہوا کرتی تھیں۔ مجھ سے بے تکلف تھے اس لئے زیادہ کھل کر باتیں کیا کرتے تھے اور قلندرانہ انداز میں کیا کرتے تھے، اس روز دورانِ

© rasailojaraid.com

گفتگو میں مشہور عالم، محدث اور صوفی شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ کے واقعہ کا ذکر آگیا جس کو سن کر دیر تک سر دھنتے رہے۔ میں نے کہا کہ شیخ نے لکھا ہے کہ جس روز میری بیوی ۔۔۔ اکھڑے اکھڑے تلخ و ترش لہجے میں مجھ سے بات کرتی ہے تو سمجھ جاتا ہوں کہ میں نے ضرور کوئی ایسا عمل کیا ہے جس کا بدلہ آج اس صورت میں مل رہا ہے اور پھر حدیث اِنَّمَا هِیَ اَعْمَالُکُمْ تُرَدُّ اِلَیْکُمْ (یہ تمہارے اعمال ہی ہیں جو تم پر لوٹائے جا رہے ہیں) کی تشریح فرمائی۔

مرحوم کے مزاج میں عجلت زیادہ تھی۔ چاہتے تھے جو کام کرنا ہے اس میں دیر نہ ہونی چاہئے اور ان کا یہ انداز زندگی کے ہر گوشے میں نمایاں تھا۔ امورِ خیر میں بھی یہی شان تھی، بڑے بڑے کام منٹوں میں گزر گزرتے تھے۔ طبیعت کے اسی انداز کی وجہ سے بیٹھے بیٹھے ایک دم سے گھبرا کر اٹھ جایا کرتے تھے چنانچہ اٹھے اور فرمایا "مفتی صاحب میں چلا"۔ خیال تھا کہ ۱۹ر کو پھر ملاقات ہوگی۔ مگر تشریف نہیں لائے بعد میں ان کے بڑے صاحبزادے محمد احمد صاحب سے معلوم ہوا "کمزوری زیادہ محسوس کر رہے تھے شاید اسی لئے آپ کے پاس نہیں پہنچ سکے"۔ پھر پروگرام کے مطابق ۱۹ر کی شام کو کالکا میل سے دہلی کے لئے روانہ ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد محمد احمد صاحب دہلی آئے اور دو ہفتوں سے زیادہ قیام کیا دوران قیام میں ان کو اطلاع ملی کہ والد صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے پیشاب کی نالی کے غدود بڑھ گئے ہیں، فلاں تاریخ کو آپریشن کے لئے ہسپتال میں داخل ہو رہے ہیں۔ محمد احمد صاحب یہ اطلاع پاتے ہی کلکتہ روانہ ہو گئے اور ٹرین چونکہ کئی گھنٹہ تاخیر سے پہنچی اس لئے ان کے پہنچنے سے پہلے ہی ہسپتال میں داخل ہو چکے تھے۔ شیخ صاحب کے چھوٹے صاحبزادے محمد یوسف صاحب فیروزی بی۔اے۔ گھر پر موجود تھے انہوں نے اعلیٰ پیمانے پر تمام ضروری انتظامات کر دیئے، کئی روز کے بعد میرے پاس ... محمد احمد صاحب کا خط آیا کہ آپریشن پوری طرح کامیاب رہا، میاں صاحب ہوش میں ہیں اور مسکرا مسکرا کر اشارے سے باتیں کر رہے ہیں۔ دوسرا خط آیا کہ حالت ہر طرح قابلِ اطمینان ہے ہسپتال سے جلد مکان پر آجائیں گے۔ کچھ وقفے سے تیسرا خط آیا کہ آج بخیریت ہسپتال سے آگئے ہیں اور میرے ہی پاس ہیں۔ طبیعت نارمل ہوتی جا رہی ہے نقاہت میں بھی تخفیف ہو رہی ہے۔ ادھر محکم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا حکیم محمد زماں صاحب کا خط آیا کہ شیخ صاحب کو آپ کا سلام پہنچا دیا ہے اور آپ کی طرف سے مزاج پرسی بھی کردی ہے وہ بھی آپ کو سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں فکر کی کوئی بات نہیں ہے بس ٹھیک ہوں"۔ اتنی تفصیلی اور قابل اطمینان اطلاعات کے بعد ہم لوگوں کے لئے کسی خاص پریشانی کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ ۷ رجون کی شام کو کسی ضروری میٹنگ میں گیا ہوا تھا۔ اور واپسی ۹ بجے شب کے بعد ہوئی تھی، دفتر میں قدم رکھا تو محمد احمد صاحب کا تار رکھا ہوا ملا کہ "والد صاحب ۵ بجے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئے"۔ تار پڑھ کر تھوڑی دیر کے لئے تو حواس گم ہوگئے اور بے اختیار آنکھوں میں آنسو آگئے۔ چالیس سال کے تعلقات اور لیل و نہار کی سرد و گرم گردشوں کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا۔ مرحوم کے برادر نسبتی شیخ محمد عمر صاحب لبس والوں کو فون کیا۔ اس وقت تک ان کو حادثے کی خبر نہ تھی۔ چند منٹ بعد ان کو بھی تار مل گیا اور ہم لوگ دیر تک مرحوم کے اخلاق، خصائل و عادات اور غیر معمولی خصوصیات کا تذکرہ کرتے رہے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۸۲، ۸۳ سال کی تھی، دولت و ثروت اور ہر طرح وسائلِ راحت و آسائش کے باوجود سادہ زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ مکان اور دکان پر کئی کئی کاریں رہتی تھیں لیکن موٹر سواری کے پابند نہیں تھے، اکثر ٹرام پر بھی سفر کرتے تھے اور پیدل بھی چلتے تھے، انتہائی خوش خوراک اور خوش لباس ہونے کے باوجود سادگی پسند تھے۔ نفاست کے ساتھ سادگی ان کی زندگی کا خاص جوہر تھی، ان کی غربا پروری، مہمان نوازی، کشادہ دستی، تواضع، حُسنِ سلوک اور بے لوث محبت و شفقت کی وجہ سے سب ہی ان کے گرویدہ تھے۔ سوسائٹی کے ہر طبقے میں ان کا احترام تھا۔ ضرورت مندوں کی روزانہ اور ماہانہ مدد کرنا ان کے معمولات میں شامل تھا۔ کتنی ہی بیواؤں کے وظیفے ان کے یہاں سے جاری تھے۔ اپنے پیسے سے کتنے ہی لوگوں کے کاروبار جاری کرا دیئے کتنے ہی لوگوں کو قرض حسنہ اور عام امانت سے نوازا۔ کبھی کبھی تو مصارف خیر کی جستجو میں ان کا اندازہ والہانہ ہوجاتا تھا، سچ تو یہ ہے کہ ملی کاموں کے لئے خواہ وہ اجتماعی ہوں یا انفرادی ان کا دل ہمیشہ کھلا رہتا تھا بلکہ خدمت کرکے پھول کی طرح کھل جاتے تھے، کلکتہ کے اور نیشنل جیسے کانگریس کے بانی اور سرپرست تھے ان کے لائق صاحبزا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ محمد یوسف صاحب فیروزی آج بھی اس کے روح رواں ہیں، کوبے (جاپان) میں شاندار اور لائق دید تاریخی مسجد کی تعمیر کرائی اور اس میں خود ہی پہلی اذان دی، ان کے اعتقاد کی لطافت اور پاکیزگی کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فرمایا کرتے تھے "میں نے جاپان سے بہت کچھ دولت کمائی جی چاہتا تھا کہ اس دولت کا کچھ حصہ اسی سرزمین پر خرچ ہو۔" اس مسجد کا فوٹو شوق سے دکھایا کرتے تھے، دارالعلوم دیوبند، جمعیۃ العلماء ہند دہلی، اسلامیہ ہسپتال کلکتہ اور ندوۃ المصنفین دہلی کے خاص معاون تھے بلکہ ندوۃ المصنفین تو کہنا چاہیے کہ ان کے دامنِ جود و سخا کے سایہ ہی میں پروان چڑھا۔ اس طرح کے علمی ادارے ملک کی تقسیم سے پہلے حیدرآباد اور بھوپال جیسی ریاستوں کی اعانت اور سرپرستی سے چلتے تھے۔ اور تقسیم کے بعد حکومت ہند اور حکومت کشمیر نے بعض تصنیفی اداروں کی سرپرستی کی۔ لیکن ندوۃ المصنفین کے لئے شیخ صاحب کی ذات ہی سب کچھ تھی اور اس پر طرہ یہ تھا کہ اس اعانت کو کبھی کوئی خاص اہمیت نہیں دی ان کو کبھی اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ ان کی مدد سے کتنا عظیم الشان تعمیری کام وجود ظہور میں آیا ہے۔ وہ صرف یہ سمجھتے تھے کہ مفتی صاحب اور ان کے رفیق جو کچھ کر رہے ہیں ملت کے لئے مفید ہی ہوگا۔

اس وقت ماضی کی تاریخ کا ایک ایک واقعہ یاد آرہا ہے، ۱۳۵۲ھ میں حضرت الاستاذ علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ کے وصال کے بعد ان کی یادگار میں ہم لوگوں نے تصنیف و تالیف کا ایک ادارہ دیوبند میں قائم کرنا چاہا اس کے لئے ابتدائی تجویزیں مرتب کیں۔ پمفلٹ کی شکل میں ایک تعارف نامہ شائع کیا اور اس مقصد کے لئے دیوبند ہی میں ایک اجتماع طلب کیا۔ اس اجتماع میں دہلی، پنجاب اور یوپی کے بڑے بڑے علماء نے جن کو حضرت شاہ صاحبؒ سے تعلقِ خاص تھا شرکت کی تھی۔ یہ اجتماع اس مکان میں ہوا تھا جس میں اب ماہنامہ تجلی کے مدیر عزیز عامر عثمانی رہتے ہیں۔

حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ، مولانا احمد سعید صاحبؒ، مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

... ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور بہت سے اکابر دیوبند اس اجتماع میں شریک تھے تمام حضرات حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ والا صفات سے محبت و عقیدت کے جذبے میں سرشار تھے اور اس اجتماع کی ایک ایک تقریر کیف و اثر میں ڈوبی ہوئی تھی، بہرحال اس ادارے کا نام "مجلس علمی" قرار پایا، اس کے بعد کام کو آگے بڑھانے کے لئے میں اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور بعض اکابر دیوبند دہلی آئے اور کوٹھی حاجی علی جان میں ایک بڑا نمائندہ اجتماع ہوا، اس اجتماع میں فرم حاجی علی جان کے مالک حاجی عبدالغفار صاحب مرحوم کے علاوہ حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب، حضرت مولانا احمد سعید صاحب، امام صاحب جامع مسجد، خان بہادر حاجی شیخ رشید احمد صاحب اور دیگر عمائد دہلی کے علاوہ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے بھی شرکت فرمائی تھی، خواجہ صاحب کو چونکہ حضرت شاہ صاحب سے شرفِ تلمذ حاصل تھا اس لئے قدرتی طور پر ان کو ایسے ادارے کے قیام سے دلچسپی تھی جو ان کے استاذ کی علمی یادگار کے طور پر قائم کیا جا رہا تھا، خواجہ صاحب مرحوم نے اس جلسے میں نہایت پراثر اور دلچسپ تقریر فرمائی تھی اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے یگانۂ روزگار عالم دین اور محدث کی شاگردی پر فخر کا اظہار کیا تھا، یاد آتا ہے خواجہ صاحب نے اسی مجمع میں اعلان فرمایا تھا کہ "مجلس علمی" سے سب سے پہلے حضرت استاذ کی جو کتاب شائع ہوگی اس کے تمام مصارف وہ ادا کریں گے، غالباً "مشکلات القرآن" کا ذکر تھا، لیکن حالات نے ایک نئی کروٹ لی۔ انہی دنوں میں بہار کے ہولناک زلزلے کی خبر آگئی اور طے کیا گیا کہ سردست اس مہم کو ملتوی رکھا جائے اور کچھ دنوں کے بعد دہلی اور دوسرے شہروں کا دورہ کیا جائے۔ اس عرصہ میں جوہانسبرگ جنوبی افریقہ کے مشہور لکھ پتی تاجر اور عالم اور ہمارے قدیم مخلص دوست حاجی محمد موسیٰ صاحب کو "مجلس علمی" کے قیام کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اس پر اصرار کیا کہ مجلس علمی کے لئے چندے کی ضرورت نہیں ہے اس کو ہم چلائیں گے۔ مولانا محمد موسیٰ مرحوم کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جو غیر معمولی عقیدت و شیفتگی تھی یہ اسی کا تقاضا تھا اور رہائی مشکلات کا ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامنے کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ اسی کے ساتھ ان کی رائے ہوئی کہ "مجلس" کا دفتر دیوبند کے بجائے ڈابھیل ہوگا۔ ادھر ہم لوگ اپنے محدود دیمانے کے مطابق دیوبند میں کام شروع کرچکے تھے اور حضرت الاستاذ کی آخری تالیف "خاتم النبیین" (فارسی کی) جو حضرت نے بستر علالت ہی پر تصنیف فرمائی تھی کتابت بھی کرادی تھی۔ مگر صورت حال کے تمام گوشوں پر غور کرنے کے بعد یہی بات قرار پائی کہ مجلس کا دفتر ڈابھیل ہی منتقل ہوجائے، میں اسی سال حج کو چلا گیا، واپس آیا تو معلوم ہوا کہ حاجی محمد موسیٰ صاحب "مجلس علمی" کو اپنے خاص ذوق کے مطابق چلانا چاہتے ہیں۔ وہ خاص ذوق یہ تھا کہ حضرت الاستاذ کی جو نادر تحقیقات، متداول فروعی مسائل سے متعلق ہیں ان کو شائع کیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ عربی کی وہ قلمی کتابیں جو حنفی مذاق سے مطابقت رکھتی ہیں طبع کرائی جائیں۔ ظاہر ہے یہ کام اپنی جگہ نہایت اہم اور مفید تھا لیکن ہم لوگوں کا ذوق دوسرا تھا، ہماری خواہش یہ تھی کہ قدیم حقائق و مسائل کو وقت کے جدید قالب میں اپنی مادری زبان اردو میں پیش کیا جائے اور جزوی و فروعی مسائل پر زیادہ زور نہ دیا جائے "مجلس علمی" کے قالب میں اس کی گنجائش نہیں تھی۔

ادھر ہم لوگوں نے لٹریچر کے ذریعہ سے ملک و ملت کی ٹھوس تعمیری خدمت کا جو نقشہ بنایا تھا اس کو بروئے کار لانے کی ظاہری اسباب میں کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی زیارت بیت اللہ سے فارغ ہوکر قیام کے ارادے سے دہلی آگیا۔ ان دنوں مولانا سعید احمد مدیر برہان مدرسہ عالیہ فتح پوری کے اورینٹل سکشن کے استاذ تھے اور محلہ سوئیوالان میں رہتے تھے مجھے مولانا ہی کی کشش یہاں لائی تھی۔ وہ بھی کیا زمانہ تھا مولانا کو شاید ۴۵ روپے ماہانہ ملتے تھے جن میں سے آٹھ روپے ماہانہ کرایہ مکان کے نکل جاتے تھے، باقی میں مجھ سمیت پورے گھر کا گذر ہوجاتا تھا قیام دہلی کا یہ زمانہ مختلف حیثیتوں سے سبق آموز اور تاریخی زمانہ تھا۔ ایڈورڈ پارک میں مغرب کی نماز کی بہت بڑی جماعت ہوتی تھی ہر طبقے کے لوگ جماعت میں شریک ہوا کرتے تھے۔ انہی میں حاجی اسماعیل صاحب جیون بخش مرحوم بھی تھے۔ ان کے ساتھ حافظ محمد ادریس صاحب جیلانی نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی آیا کرتے تھے، حاجی محمد اسمٰعیل صاحب سے تو قدیم تعلق تھا لیکن حافظ محمد ادریس صاحب مرحوم سے یہیں تعارف ہوا اور یہ تعارف بہت جلد تعلقِ خاص کی شکل میں تبدیل ہو گیا، ایک روز نماز سے فراغت کے بعد حافظ صاحب کہنے لگے۔ تمہاری کلکتہ میں بہت ضرورت ہے تیار ہو تو تحریک کروں۔ میں نے مولانا سعید احمد کے علاوہ دیگر احباب سے بھی مشورہ کیا۔ سب کی یہی رائے ہوئی کہ مجھے کلکتہ جانا چاہیے، قیام دہلی کے دنوں میں بارہا یہ بات سننے میں آئی تھی کہ کلکتہ میں ایک ملک التجار شیخ فیروز الدین صاحب ہیں، ان سے ملاقات اور تعارف ہو جائے تو تصنیف و تالیف کے ادارے کی اسکیم کھڑی ہو جائے گی، یہ ۱۹۳۳ء کے وسط کا زمانہ تھا، دوستوں کے مشورے کے مطابق کلکتہ کے لئے تیار ہو گیا۔ یاد آتا ہے کہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بھی کلکتہ کے بعض مخلصوں کو میرے متعلق خطوط تحریر فرمائے تھے۔ بہر حال حاجی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم نے سفر کے انتظامات کئے اور میں بہت جلد روانہ ہو گیا۔ میرے کلکتہ پہنچنے کے ۶ مہینے کے بعد مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب بھی انجمن تبلیغ الاسلام سراج بلڈنگ میں تشریف لے آئے اور اس طرح دو قدیم دوست جن کے یکجا ہونے کی اب کم ہی توقع رہ گئی تھی پھر جمع ہو گئے، انجمن تبلیغ الاسلام مولانا ابوالکلام آزاد کی سرپرستی میں قائم تھی۔ میں کولوٹولہ کی مسجد میں درس قرآن دیتا تھا اور مولانا سراج بلڈنگ میں، ہم دونوں کی یکجائی سے کلکتہ کی فضا میں عجیب رنگ پیدا ہو گیا تھا اور ہمارا حلقۂ تعارف بھی وسیع ہو گیا تھا۔ وقت گذرتا گیا اور مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے شدید قسم کے دردِ سر کے دوروں کی وجہ سے دو سال کے بعد کلکتہ چھوڑ دیا اور امروہہ تشریف لے آئے۔ مولانا کی جدوجہد سے امروہہ کے دو حریف مدرسے مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد اور مدرسہ اسلامیہ چلّہ ایک لڑی میں منسلک ہو گئے تھے اور مولانا ان دونوں درس گاہوں کے مہتمم بنا دیئے گئے تھے۔ مولانا کے تشریف لے جانے کے بعد کلکتہ سے میرا جی بھی اکھڑنے لگا تھا پھر بھی رہتا رہا۔ ان دنوں میں شیخ فیروز الدین صاحب کم سے کم سال میں چھ مہینے جاپان ۔۔۔ رہتے تھے، جب بھی تشریف لاتے ملاقات ہوتی۔ لیکن یہ ملاقات خیریت اور مزاج پرسی کی حد سے آگے نہیں تھی۔ میں ۱۹۳۳ء کے وسط سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[illegible] کے آخر تک کلکتہ رہا اور تصنیف و تالیف کے ایک ایسے ادارے کی ضرورت و اہمیت سے متعلق جس کی اساس قدیم صداقتوں پر ہو مگر جس کا روپ نیا ہو قریبی دوستوں شیخ عبدالحمید صاحب اور حاجی اسرار احمد صاحب وغیرہ سے مسلسل گفتگو ہوتی رہی۔ لیکن ان حضرات کی مالی حالت زیادہ اچھی نہیں تھی پھر بھی کام کی اہمیت اور مجھ سے ذاتی تعلق کی وجہ سے شوق سے مدد کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

شائد ۱۹۳۸ء کے وسط میں جب کہ شیخ فیروزالدین صاحب جاپان سے نئے نئے تشریف لائے تھے۔ ایک روز ظہر کی نماز کے بعد میں نے ان سے عرض کیا آپ سے ضروری بات کرنی ہے چند منٹ علیحدہ مرحمت فرما دیجئے، ہنس کر فرمانے لگے "ضرور" شائد اگلے ہی روز ظہر ہی کے بعد موصوف سے بات ہوئی۔ میں نے کسی تمہید کے بغیر ملاقات کا مقصد ظاہر کر دیا یعنی یہ کہ ایسا ادارہ قائم کرنے کا ارادہ ہے، جس کے لئے کلکتہ نہیں دلی مناسب مقام ہے آپ سے اعانت کی درخواست ہے، فرمانے لگے مفتی صاحب یہ کام حکومتیں کر سکتی ہیں، عام لوگوں کے بس کے نہیں ہوتے، پھر بھی تعمیل حکم کے لئے حاضر ہوں۔ میں نے کہا سردست دو ہزار روپیہ عنایت فرما دیں، کچھ دوسرے لوگ بھی مدد کرنے کے لئے آمادہ ہیں، غالباً دوسرے دن دو ہزار روپے کا چیک کو لوٹولہ مٹ میں میرے پاس بھیج دیا۔ شیخ عبدالحمید صاحب اور حاجی اسرار احمد مرحوم سے پہلے بات ہو چکی تھی۔ چنانچہ ان حضرات نے بھی دو دو ہزار روپے قسطوں میں دینے کا وعدہ کر لیا۔ اس کے بعد حاجی محمد الدین تاجر چرم سے بات ہوئی۔ حاجی صاحب کے یہاں صرف عربی مدارس کی اہمیت تھی۔ وہ جدید لٹریچر کے ذریعے ملت کی خدمت کی اہمیت کو سمجھ نہیں سکتے تھے۔ پھر بھی میرے کہنے سے ہاں کر لی۔ میں نے ان کے صاحبزادے حاجی محمد حسین مرحوم کو خزانچی بنایا اور رقم ان کے پاس جمع کرا دی۔ وجود میں آنے سے پہلے کسی اسکیم کے لئے ارزانی کے اس زمانے میں اتنی رقم کا جمع ہو جانا معمولی بات نہیں تھی۔ میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور متعلقین کو [illegible] چھوڑ کر دلی آ گیا۔ یہاں مولانا سعید احمد پہلے سے موجود ہی تھے صرف مولانا محمد حفظ الرحمٰن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب کو امروہہ سے لانے کا مرحلہ تھا۔ اس زمانے کی دہلی اس وقت کی دہلی نہیں تھی چند روز کی تلاش کے بعد قرول باغ میں ایک مناسب مکان کرایہ پر مل گیا۔ یہ مکان مولانا سعید احمد کے رشیدی پورہ والے مکان کے قریب تھا۔ جیسے ہی مکان کا انتظام ہوا میں مولانا حفظ الرحمن کی خدمت میں امروہہ پہنچا اور صورت حال کی تفصیل بتائی۔ جیسا کہ مرحوم کی عادت تھی ایک دم تیز ہونے لگے۔ اور فرمایا، مفتی صاحب! کہیں اتنی تھوڑی رقم سے ادارے چلا کرتے ہیں یہ آپ کیا کر رہے ہیں، میں نے عرض کیا مولانا! ابھی ادارہ قائم نہیں ہوا ہے اس کا نام بھی تجویز نہیں ہوا ہے۔ صرف ایک اسکیم ہے۔ کسی خیالی اسکیم کے لئے پہلے ہی مرحلے میں اتنی رقم کا مل جانا معمولی بات ہے، ادارہ اگر اب قائم نہ ہوا تو پھر کبھی نہ ہو سکے گا، ہماری گفتگو رات کے بارہ ایک بجے تک رہی اور بالآخر مولانا دہلی تشریف لانے کے لئے آمادہ ہو گئے، اب اس داستان کو یہیں چھوڑیئے۔ کتاب کا دوسرا ورق پڑھئے،

ادارہ باضابطہ قائم ہو گیا اور میرا ذاتی کتب خانہ جو حدیث، تفسیر، فقہ اور تاریخ کی منتخب کتب پر مشتمل تھا کلکتہ سے دہلی منتقل ہو گیا۔ ادارے کے نام کا سوال آیا تو مختلف ناموں پر غور ہوا دوستوں نے بہت سے نام تجویز کئے مولانا حامد الانصاری غازی رفیق ادارہ نے "ندوۃ المصنفین" تجویز کیا اور ہم سب اس نام پر متفق ہو گئے۔

ادارہ تو قائم ہو گیا اس کے اغراض و مقاصد بھی شائع ہو گئے۔ اخبارات میں اظہارات بھی ہونے لگا لیکن تردد یہی تھا کہ یہ شاہانہ کام اس معمولی روپے سے کیسے چلے گا ابھی شاید مشکل سے ایک مہینہ ہوا ہوگا کہ جنوری ۱۹۳۸ء کی شدید سردی میں شیخ صاحب دفتر میں تشریف لائے جاڑے کے کچھ قیمتی تحفے ساتھ تھے بیٹھتے ہی فرمانے لگے مفتی صاحب! آپ نے تو واقعی ادارہ قائم کر لیا میں نے تو صرف آپ کے شوق کو دیکھ کر وہ رقم پیش کی تھی، اچھا بتلایئے آپ کی ضروری ضروریات کیا ہیں میں نے ابتدائی ضروریات کی تھوڑی سی تفصیل بتائی، کرایہ مکان، فرنیچر، لائبریری اور کچھ متفرق ضروریات، اسی وقت ایک سال کے کرایہ کا وعدہ فرمایا، فرنیچر کا کام بانہ چند دوستوں کی [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے امام صاحب کے سپرد کیا اور اُس نشست یا دُوسری نشست میں سات ہزار روپے کا وعدہ لائبریری کے لئے فرمایا۔ ان کے وعدے اور عطا کا فاصلہ بہت تھوڑا ہوا کرتا تھا، شائد وعدے کے اگلے ہی دن اس رقم کا بھی چیک بھیج نہیں دیا خود لے کر تشریف لائے۔ اسی کے ساتھ "جیون بخش فیروزالدین فرم" جس کا موجودہ نام "جیون بخش محمد جان" ہے ایک مستقل ماہانہ رقم مقرر فرمادی جو سالہاسال تک جاری رہی۔

۱۹۳۸ء سے انقلاب ۱۹۴۷ء تک کوئی قابل ذکر منزل ایسی نہیں آئی کہ مرحوم نے ادارے کی تعمیر اور توسیع و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیا ہو۔ مجھے یہ ظاہر کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ مرحوم شیخ فیروزالدین اگر ندوۃ المصنفین کی اعانت اتنی فراغ دلی اور کشادہ دستی سے نہ فرماتے تو ادارہ اتنے بڑے پیمانے پر اتنی شاندار علمی خدمت انجام نہیں دے سکتا تھا، مرحوم آج دنیا میں نہیں ہیں لیکن ان کے کارنامے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے صاحبزادوں شیخ محمد احمد صاحب فیروزی اور شیخ محمد یوسف صاحب فیروزی کو ان کے نقوشِ قدم کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔

ندوۃ المصنفین دہلی

سنہ ۱۹۷۰ء کی جدید مطبوعات

۱:۔ تفسیر مظہری اردو نویں جلد قیمت مجلد سترہ روپے

۲:۔ حیات مولانا عبدالحیؒ قیمت مجلد گیارہ روپے

۳:۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت قیمت مجلد نو روپے

۴:۔ مآثر و معارف (قاضی اطہر مبارکپوری) قیمت مجلد دس روپے

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

© rasailojaraid.com